مقالات

اسلام میں مُرتد کا حکم

کیا اسلام میں تبلیغ کفر کی اجازت ہے؟

(۵)

جوابی کارروائی کا خطرہ صحبت گزشتہ میں ہم نے دنیا کے دوسرے نظاموں سے سزائے ارتداد کی جو مثالیں پیش کی ہیں وہ ایک اور الجھن کو بھی رفع کر دیتی ہیں جو اس مسئلہ میں اکثر سطحی النظر لوگوں کے دماغ کو پریشان کیا کرتی ہے۔ یہ لوگ سوچتے ہیں کہ اگر دوسرے ادیان بھی اسی طرح اپنے دائرے سے باہر جانے والوں کے لیے سزائے موت کا قانون مقرر کر دیں جس طرح اسلام نے کیا ہے، تو یہ چیز اسلام کی تبلیغ کے راستہ میں بھی ویسی ہی رُکاوٹ بن جائے گی جیسی دوسرے ادیان کی راہ میں بنتی ہے۔ اس کا اصولی جواب اس سے پہلے ہم دے چکے ہیں، مگر یہاں ہمیں اس کا عملی جواب بھی مل جاتا ہے۔ معترضین ناواقفیت کی بنا پر ایسا اعتراض لفظ "اگر" کے ساتھ پیش کرتے ہیں، گویا کہ واقعہ یہ نہیں ہے، حالانکہ دراصل وہ چیز جس کا یہ اندیشہ ظاہر کرتے ہیں، واقعہ کی صورت میں موجود ہے۔ دنیا میں جو دین بھی اپنی ریاست رکھتا ہے وہ اپنے حدودِ اقتدار میں ارتداد کا دروازہ بزور بند کیے ہوئے ہے۔ غلط فہمی صرف اس وجہ سے واقع ہوتی ہے کہ آج کل کی عیسائی قومیں اپنی مملکتوں میں عیسائیت سے مرتد ہو جانے والوں کو کسی قسم کی سزا نہیں دیتیں اور ہر شخص کو آزادی عطا کر دیتی ہیں کہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرلے۔ اس سے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان کے قانون میں ارتداد جرم نہیں ہے اور یہ ایک رحمت ہے جس کی وجہ سے مذہبی تبلیغ تمام رکاوٹوں سے آزاد ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ عیسائیت اِن قوموں کے افراد کا محض ایک شخصی مذہب ہے، ان کا "اجتماعی دین" نہیں ہے جس پر ان کی سوسائٹی کا نظام اور ان کے اسٹیٹ کی عمارت قائم ہو، اس لیے عیسائیت سے پھر جانے کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتیں کہ اس پر رکاوٹ عائد کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔ رہا ان کا دین جس پر ان کی سوسائٹی اور ریاست کی بنیاد قائم ہے،

تو اس سے مرتد ہونے کو وہ بھی اسی طرح جرم قرار دیتی ہیں جس طرح اسلام اسے جرم قرار دیتا ہے اور اس کو دبانے کے معاملہ میں وہ بھی اُتنی ہی سخت ہیں جتنی اسلامی ریاست سخت ہے۔ انگریزوں کا اجتماعی دین عیسائیت نہیں ہے بلکہ برطانی قوم کا اقتدار اور برطانوی دستور و آئین کی فرمانروائی ہے جس کی نمائندگی تاج برطانیہ کرتا ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ کا اجتماعی دین بھی عیسائیت نہیں بلکہ امریکی قومیت اور وفاقی دستور کا اقتدار ہے جس پر ان کی سوسائٹی ایک ریاست کی شکل میں منظم ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری عیسائی قوموں کے اجتماعی دین بھی عیسائیت کے بجائے ان کے اپنے قومی اسٹیٹ اور دستور ہیں۔ اس دین سے ان کا کوئی پیدائشی یا اختیاری تابع ذرا مرتد ہو کر دیکھ لے، اسے خود معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہاں ارتداد جرم ہے یا نہیں۔

اس معاملہ کو انگریزی قانون کے ایک مصنف نے خوب واضح کر دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"ہم یہاں تفصیل کے ساتھ ان وجوہ کی تحقیق نہیں کرنا چاہتے جن کی بنیاد پر ریاست نے مذہب کے خلاف بعض جرائم پر سزا دینے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض خاص افعال یا طرزِ عمل جو مذہب میں ممنوع ہیں، اجتماعی زندگی کے لیے بھی خرابی اور بدنظمی کے موجب ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ افعال غیر قانونی اور ان کے مرتکب مستلزم سزا قرار دیے گئے ہیں، نہ اس وجہ سے کہ وہ خدا کے قانون کو توڑتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ ملکی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔"

آگے چل کر وہ پھر لکھتا ہے :۔

"ایک زمانہ دراز تک انگریزی قانون میں ارتداد یعنی عیسائیت سے بالکل پھر جانے کی سزا موت تھی۔ بعد میں یہ قانون بنایا گیا کہ اگر کوئی شخص جس نے عیسائیت کی تعلیم حاصل کی ہو یا عیسائی مذہب کی پیروی کا اقرار کیا ہو، تحریر یا طباعت یا تعلیم یا سوچی سمجھی ہوئی تقریر کے سلسلہ میں اس خیال کا اظہار کرے کہ خدا ایک کے بجائے متعدد ہیں، یا عیسائی مذہب کے حق ہونے سے یا کتابِ مقدس کے من جانب اللہ ہونے سے انکار کرے، تو پہلی خطا پر وہ ملکی اور فوجی ملازمت میں داخل ہونے سے محروم کیا جائے گا اور دوسری خطا پر اسے تین سال کے لیے قید کی سزا دی جائے گی لیکن

یقین کیا جاتا ہے کہ اس قانون کے تحت کبھی کسی شخص پر مقدمہ نہیں چلایا گیا"۔ [1]

چند سطور کے بعد پھر لکھتا ہے :۔

"کہا گیا ہے کہ عیسائیت انگریزی قانون کا ایک جزو ہے اور اس کے خلاف کسی فاحش حملہ کے ارتکاب پر ریاست کی طرف سے سزا دی جاتی ہے۔ اس جرم کے حدود میں تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے خدا کی ہستی یا اس کی تقدیر کا انکار، ہمارے خداوند یعنی مسیح کی اہانت، اور کتب مقدسہ یا ان کے کسی جزء کا استہزا رشامل ہے۔ ..... اس پر صرف اتنا اضافہ کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ اس قانون کو شاذ و نادر ہی کبھی استعمال کیا گیا ہے"۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائیت (یعنی جسے وہ "خدا کا قانون" کہتے ہیں) چونکہ اب ملکی قانون نہیں ہے، اس لیے ریاست اوّل تو اس کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو سزا دینے کی ذمہ داری اپنے سر لیتی ہی نہیں، یا اگر اس بنا پر کہ ابھی تک یہ عیسائیت حکمراں افراد کا مذہب ہے، وہ برائے نام اس ذمہ داری کو قبول کرتی بھی ہے تو عملاً اس کو ادا کرنے سے پہلو تہی کرتی ہے لیکن خود ملکی قانون، جو دراصل ان کا اجتماعی دین ہے، کیا اس کے معاملہ میں بھی ان کا طرزِ عمل یہی ہے؟ اس کا جواب آپ عملاً پا سکتے ہیں اگر ذرا ہمت کر کے برطانوی حدود میں رہتے ہوئے تاجِ برطانیہ کے اقتدارِ اعلیٰ اور سلطنت کے آئین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔

پس درحقیقت وہ حالت عملاً قائم ہے جس کے متعلق غلط فہمی کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ "اگر" ایسا ہوا تو کیا ہوگا۔ البتہ مذہبی تبلیغ میں اس حالت کے قائم ہونے سے کوئی رکاوٹ اس لیے واقع نہیں ہوتی کہ جن مختلف مذاہب کی تبلیغ کی جا رہی ہے ان میں سے کسی کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں چلے جانے سے اس اجتماعی دین میں کوئی رخنہ نہیں پڑتا جو عملاً ملک پر مسلط ہے۔ تمام مذاہب بالفعل اُس دین کے تابع ہیں اور اُن حدود کے پابند ہیں جن میں اس نے انھیں محدود کر دیا ہے۔ لہٰذا اس کے تابع فرمان اور مطیع امر رہتے ہوئے اگر آپ نے ایک مذہبی عقیدہ و عمل کو چھوڑ کر دوسرا مذہبی عقیدہ و عمل اختیار کر لیا تو اس دین کے نقطۂ نظر سے فی الواقع آپ کے اندر کوئی فرق رونما نہیں ہوا، نہ آپ نے کسی ارتداد کا ارتکاب کیا کہ

---

[1] *Principles of the Criminal Law.*
by Seymour F. Harris, London, 1912, p. 61.

وہ آپ سے باز پرس کرے۔ ہاں اگر آپ اس اجتماعی دین کے اعتقاداً وعملاً کافر بن جائیں، اور کسی دوسرے اجتماعی دین کے اعتقادی مومن بن کر عملی مسلم بننے کی کوشش کریں، تو آج کا ہر حکمراں آپ کے ساتھ وہی کچھ کرنے کے لیے تیار ہے جو آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے کا حکمراں حضرت موسیٰ کے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوا تھا کہ ذَرُونِیٓ اَقۡتُلۡ مُوسٰی وَلۡیَدۡعُ رَبَّہٗ ۚ اِنِّیٓ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡہِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ (المومن - ۳)

پیدائشی مسلمانوں کا مسئلہ

اس سلسلہ میں ایک آخری سوال اور باقی رہ جاتا ہے جو قتل مرتد کے حکم پر بہت سے دماغوں میں تشویش پیدا کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص پہلے غیر مسلم تھا، پھر اس نے باختیار خود اسلام قبول کیا اور اس کے بعد دوبارہ کفر اختیار کرلیا، اس کے متعلق تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے جان بوجھ کر غلطی کی، کیوں نہ وہ ذمی بن کر رہا اور کیوں ایسے اجتماعی دین میں داخل ہوا جس سے نکلنے کا دروازہ اسے معلوم تھا کہ بند ہے، لیکن اس شخص کا معاملہ ذرا مختلف ہے جس نے اسلام کو خود نہ قبول کیا ہو بلکہ مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اسلام آپ سے آپ اس کا دین بن گیا ہو۔ ایسا شخص اگر ہوش سنبھالنے کے بعد اسلام سے مطمئن نہ ہو اور اس سے نکل جانا چاہے تو یہ بڑا غضب ہے کہ آپ اسے بھی سزائے موت کی دھمکی دے کر اسلام کے اندر رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف ایک زیادتی معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ پیدائشی منافقوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلام کے اجتماعی نظام کے اندر پرورش پاتی رہے۔

اس شبہ کا ایک جواب اصولی ہے اور ایک عملی۔ اصولی جواب یہ ہے کہ پیدائشی اور اختیاری اتباع کے درمیان احکام میں نہ فرق کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی دین نے کبھی ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ ہر دین اپنے پیرووں کی اولاد کو فطرۃً اپنا پیرو قرار دیتا ہے اور ان پر وہ سب احکام جاری کرتا ہے جو اختیاری پیرووں پر جاری کیے جاتے ہیں۔ یہ بات عملاً ناممکن اور عقلاً بالکل لغو ہے کہ پیروانِ دین، یا سیاسی اصطلاح میں رعایا اور شہریوں کی اولاد کو ابتداءً لقار یا اغیار (Aliens) کی حیثیت سے پرورش کیا جائے اور جب وہ بالغ ہو جائیں تو اس بات کا فیصلہ ان کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے کہ آیا وہ اس دین کی پیروی یا اس اسٹیٹ کی وفاداری قبول کرتے ہیں یا نہیں جس میں وہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس طرح تو کوئی اجتماعی نظام دنیا میں کبھی چل ہی نہیں سکتا۔ اجتماعی نظام کے بقاء و استحکام کا زیادہ تر انحصار اس مستقل آبادی پر ہوتا ہے جو اس

کی پیروی پر ثابت و قائم اور اس کے تسلسل حیات کی ضامن ہو، اور ایسی مستقل آبادی صرف اسی طرح بنتی ہے کہ نسل کے بعد نسل آ کر اس نظام کو جاری رکھنے کی ذمہ داری لیتی چلی جائے۔ اگر پیروؤں اور شہریوں کی ہر نسل کے بعد دوسری نسل کا اس پیروی و شہریت پر قائم رہنا اور اس نظام کو برقرار رکھنا مشتبہ اور غیر یقینی ہو، تو اجتماعی نظام کی بنیاد دائماً متزلزل رہے گی اور کبھی اس کو استحکام نصیب ہی نہ ہوگا۔ لہٰذا پیدائشی پیروی و شہریت کو اختیاری میں تبدیل کر دینا، اور ہر بعد کی نسل کے لیے پہلی نسل کے دین اور دستور و آئین اور تمام وفاداریوں سے انحراف کا دروازہ کھلا رکھنا، ایک ایسی تجویز ہے جو بجائے خود سخت نامعقول ہے، اور دنیا میں آج تک کسی دین، کسی اجتماعی نظام اور کسی ریاست نے اس کو اختیار نہیں کیا ہے۔

اس کا عملی جواب یہ ہے کہ جو اندیشہ ہمارے معترضین بیان کرتے ہیں وہ درحقیقت عملی دنیا میں کبھی رونما نہیں ہوتا۔ ہر اجتماعی نظام جس میں کچھ بھی زندگی کی طاقت اور خواہش موجود ہو، پوری توجہ کے ساتھ اس کا انتظام کیا کرتا ہے کہ اپنے دائرے میں پیدا ہونے والی نئی نسلوں کی طرف اپنی روایات، اپنی تہذیب، اپنے اصولوں، اور اپنی وفاداریوں کو منتقل کرے اور انھیں اپنے لیے زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد بنائے۔ اس تعلیم و تربیت کی وجہ سے نئی نسلوں کی بہت بڑی اکثریت ۹۹ فی صدی سے بھی زیادہ اکثریت اس نظام کے اتباع پر راضی، اور اس کی وفادار بن کر اُٹھتی ہے جس میں وہ پیدا ہوتی ہے۔ ان حالات میں صرف چند ہی افراد ایسے پیدا ہو سکتے ہیں جو مختلف وجوہ سے انحراف و بغاوت کا میلان لیے ہوئے اٹھیں یا بعد میں اس کا اکتساب کرلیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے چند افراد کی خاطر اصول میں کوئی ایسا تغیر نہیں کیا جا سکتا جس سے پوری سوسائٹی کی زندگی خطرے اور بے اطمینان میں مبتلا ہو جائے۔ یہ افراد اگر اجتماعی دین سے انحراف کرنا چاہیں تو ان کے لیے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ یا تو ریاست کے حدود سے باہر جا کر اس سے انحراف کریں۔ یا اگر وہ اپنے انحراف میں راسخ ہیں، اور جس دوسرے نظام کو انھوں نے پسند کیا ہے اس کی پیروی میں صادق الایمان ہیں، اور اپنے آبائی دین کی جگہ اُسے قائم کرنے کا سچا عزم رکھتے ہیں، تو اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالیں اور جان جوکھوں کا وہ کھیل کھیلیں جس کے بغیر کسی نظام کو تبدیل

نہیں کیا جا سکتا۔

پس جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے، وہ بہر حال یہی رہے گا کہ مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہونے والی اولاد مسلمان ہی سمجھی جائے گی اور قانونِ اسلام کی طرف سے ان کے لیے ارتداد کا دروازہ ہرگز نہ کھولا جائے گا۔ اگر ان میں سے کوئی اسلام سے پھرے گا تو وہ بھی اسی طرح قتل کا مستحق ہو گا جس طرح وہ شخص جس نے کفر سے اسلام کی طرف آکر پھر کفر کا راستہ اختیار کیا ہو۔ یہ تمام فقہائے اسلام کا متفق علیہ فیصلہ ہے اور اس باب میں ماہرینِ علمِ شریعت کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس معاملہ کا ایک پہلو ایسا ہے جس میں مجھے کچھ پیچیدگی نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک مدت دراز سے ہمارا اجتماعی نظام نہایت ڈھیلا اور سست رہا ہے اور ہمارے ہاں کئی نسلیں ایسی گذر چکی ہیں کہ ہر نسل نے بعد کی نسل کو اسلامی تعلیم و تربیت دینے میں سخت کوتاہی کی ہے اور بے پروائی کے ساتھ یا جان بوجھ کر اپنی اولاد کو کافرانہ تعلیم و تربیت کے حوالہ کر دیا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے ہاں بغاوت و انحراف کے میلانات رکھنے والوں کا تناسب خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اگر آگے چل کر کسی وقت اسلامی نظامِ حکومت قائم ہوا اور قتل مرتد کا قانون نافذ کر کے ان سب لوگوں کو بزور اسلام کے دائرے میں مقید کر دیا گیا جو مسلمانوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے اسلام کے پیدائشی پیرو قرار دیے جاتے ہیں، تو اس صورت میں بلاشبہ یہ اندیشہ ہے کہ اسلام کے نظامِ اجتماعی میں منافقین کی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہو جائے گی جس سے ہر وقت ہر غداری کا خطرہ رہے گا۔ میرے نزدیک اس کا حل یہ ہے، واللہ اعلم بالصواب، کہ جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیدیا جائے کہ "جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظامِ اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا، تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کیے جائیں گے، فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انھیں مجبور کیا جائے گا، اور پھر جو کوئی دائرۂ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔" اس اعلان کے بعد انتہائی کوشش کی جائے کہ جس قدر مسلمان زادوں اور مسلمان زادیوں کو کفر کی گود میں جانے سے بچایا جا سکتا ہے بچا لیا

جائے، پھر جو کسی طرح نہ بچائے جا سکیں، انھیں دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لیے اپنی سوسائٹی سے کاٹ پھینکا جائے اور اس عمل تطہیر کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نئی زندگی کا آغاز صرف ایسے مسلمانوں سے کیا جائے جو اسلام پر راضی ہوں

۴۔ تبلیغ کفر کا مسئلہ

سائل کا آخری سوال یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کے دائرے میں تبلیغ کفر کی اجازت نہیں ہے تو عقلی حیثیت سے اس ممانعت کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس باب میں کوئی بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جس تبلیغ کفر کی اسلام ممانعت کرتا ہے اُس کی نوعیت واضح کر دی جائے۔ اسلام اس چیز میں مانع نہیں ہے کہ دار الاسلام کے حدود میں کوئی غیر مسلم اپنے بچے کو اپنے مذہب کی تعلیم دے یا اپنے مذہب کے عقائد اور اصول لوگوں کے سامنے تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے بیان کرے، یا اسلام پر اگر وہ کچھ اعتراضات رکھتا ہو تو انھیں تہذیب کے ساتھ تقریر و تحریر میں پیش کرے۔ نیز اسلام اس میں بھی مانع نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم کے خیالات سے متاثر ہو کر دار الاسلام کی ذمی رعایا میں سے کوئی شخص اُس کا مذہب قبول کر لے۔ ممانعت دراصل جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی مذہب یا نظام فکر و عمل کی تائید میں کوئی ایسی منظم تحریک اٹھائی جائے جو دار الاسلام کے حدود میں رہنے والوں کو اُس مذہب یا نظام کی طرف دعوت دے۔ ایسی منظم دعوت، قطع نظر اس سے کہ وہ ذمیوں میں سے اُٹھے یا باہر سے آنے والے غیر مسلموں کی طرف سے، بہر حال اسلام اپنی حدود میں اس کے ظہور کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ ایک منظم دعوت لامحالہ یا تو سیاسی نوعیت کی ہوگی، یا مذہبی و اخلاقی نوعیت کی۔ اگر وہ سیاسی نوعیت کی ہو اور اس کے پیش نظر نظام زندگی کا تغیر ہو تو جس طرح دنیا کی ہر ریاست ایسی دعوت کی مزاحمت کرتی ہے، اسی طرح اسلامی ریاست بھی کرتی ہے۔ اور اگر وہ دوسری نوعیت کی دعوت ہو تو خالص دنیوی ریاستوں کے برعکس اسلام اسے اس لیے گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی اعتقادی و اخلاقی گمراہی کو اپنی نگرانی و حفاظت میں سر اُٹھانے کا موقع دینا قطعی طور پر اُس مقصد کی ضد ہے جس کے لیے اسلام ملک کی زمام کار اپنے ہاتھ

میں لیتا ہے۔ اس معاملہ میں خالص دنیوی حکومتوں کا طرزِ عمل اسلامی حکومت کے طرزِ عمل سے یقیناً مختلف ہے کیونکہ دونوں کے مقاصدِ حکومت مختلف ہیں۔ دنیوی حکومتیں ہر جھوٹ، ہر اعتقادی فساد اور ہر قسم کی بدعملی و بداخلاقی کو اور اسی طرح ہر مذہبی گمراہی کو بھی اپنے حدود میں پھیلنے کی اجازت دیتی ہیں اور خوب ڈھیلی رسّی چھوڑے رکھتی ہیں جب تک کہ ان مختلف چیزوں کے پھیلانے والے اُن کے وفادار رہیں، اُن کو ٹیکس ادا کرتے رہیں اور ایسی کوئی حرکت نہ کریں جس سے اُن کے سیاسی اقتدار پر آنچ آتی ہو، البتہ جن تحریکوں سے اپنے سیاسی اقتدار پر آنچ آنے کا انھیں ذرا سا بھی خطرہ ہوجاتا ہے ان کو خلافِ قانون قرار دینے اور قوت سے کچل دینے میں وہ ذرہ برابر تأمل نہیں کرتیں۔ اُن کے اس طرزِ عمل کی وجہ یہ ہے کہ انھیں بندگانِ خدا کی اخلاقی و روحانی فلاح سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ان کے لیے تو اپنا سیاسی اقتدار اور اپنی مادّی اغراض ہی سب کچھ ہیں۔ مگر اسلام کو اصل دلچسپی خدا کے بندوں کی روحانی و اخلاقی فلاح سے ہے اور اسی کی خاطر وہ انتظامِ ملکی اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، اس لیے وہ سیاسی فساد یا انقلاب برپا کرنے والی تحریکوں کی طرح اُن تحریکوں کو بھی برداشت نہیں کرسکتا جو اخلاقی فساد یا اعتقادی گمراہی پھیلانے والی ہوں۔

یہاں پھر وہی سوال ہمارے سامنے آتا ہے جو قتلِ مرتد کے مسئلہ میں آیا کرتا ہے، یعنی یہ کہ اگر غیر مسلم حکومتیں بھی اسی طرح اپنے حدود میں اسلام کی دعوت کو خلافِ قانون قرار دے دیں تو کیا ہو؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام اِس قیمت پر حق و صداقت کی اشاعت کی آزادی خریدنا نہیں چاہتا کہ اس کے جواب میں اسے جھوٹ اور باطل کی اشاعت کی آزادی دینی پڑے۔ وہ اپنے پیروؤں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے دل سے مجھے حق سمجھتے ہو اور میری پیروی ہی میں اپنی اور انسانیت کی نجات دیکھتے ہو تو میری پیروی کرو، مجھے قائم کرو اور دنیا کو میری طرف دعوت دو، خواہ اس کام میں تم کو گلزارِ ابراہیم سے سابقہ پیش آئے یا آتشِ نمرود سے گذرنا پڑے۔ یہ تمھارے اپنے ایمان کا تقاضا ہے اور یہ بات تمھاری خداپرستی پر منحصر ہے کہ اس کی رضا چاہتے ہو تو اِس تقاضے کو پورا کرو ورنہ نہ کرو۔ لیکن میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ تم کو اس راہ کی خطرناکیوں سے بچانے اور اسے تمھارے لیے سراسر سہولت بنا دینے کی خاطر باطل پرستوں کو یہ جوابی حق عطا کروں کہ وہ خدا کے بندوں کو گمراہ کریں اور ایسے راستوں پر انھیں ہانک

لے جائیں جن میں مجھے معلوم ہے کہ اُن کے لیئے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ اسلام کا ناقابلِ تغیر فیصلہ ہے اور اس میں وہ کسی سے مصالحت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر غیر مسلم حکومتیں آج یا آئندہ کسی وقت اسلام کی تبلیغ کو اسی طرح جرم قرار دیں جس طرح وہ پہلے اسے جرم قرار دیتی رہی ہیں تب بھی اس فیصلہ میں کوئی ترمیم نہ کی جائے گی۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اسلام کے لیے وہ گھڑی بہت منحوس تھی جب کفار کی نگاہ میں وہ اتنا بے ضرر بن گیا کہ اس کی دعوت و تبلیغ کو وہ بخوشی گوارا کرنے لگے اور قانونِ کفر کی حفاظت و نگرانی میں اسے پھیلنے کی پوری سہولتیں بہم پہنچنے لگیں۔ اسلام کے ساتھ کفر کی یہ رعایتیں حقیقت میں خوش آئند نہیں ہیں۔ یہ تو اس بات کی علامت ہیں کہ اسلام کے قالب میں اس کی روح موجود نہیں رہی ہے، ورنہ آج کے کافر کچھ نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب سے بڑھ کر نیک دل نہیں ہیں کہ اس مسلم نما قالب میں اسلام کا اصلی جوہر موجود ہو اور پھر بھی وہ اسے اپنی سرپرستی و حمایت سے سرفراز کریں یا کم از کم اسے پھیلنے کی آزادی ہی عطا کر دیں۔ جب سے ان کی عنایات کی بدولت اسلام کی دعوت محض گلزارِ ابراہیم کی گلگشت بن کر رہ گئی اسی وقت سے اسلام کو یہ ذلت نصیب ہوئی کہ وہ اُن مذاہب کی صف میں شامل کر دیا گیا جو ہر ظالم نظامِ تمدن و سیاست کے ماتحت آرام کی جگہ پا سکتے ہیں۔ بڑی مبارک ہوگی وہ ساعت جب یہ رعایتیں واپس لے لی جائیں گی اور دینِ حق کی طرف دعوت دینے والوں کی راہ میں پھر آتشِ نمرود حائل ہو جائیگی۔ اسی وقت اسلام کو وہ سچے پیرو اور داعی ملیں گے جو طاغوت کا سر نیچا کر کے حق کو اس پر غالب کرنے کے قابل ہوں گے۔

اگر کوئی صاحب ۱۹۴۲ء کا فائل فروخت کرنا چاہیں یا ۱۹۴۳ء کے ابتدائی تین چار ماہ کے پرچے فروخت کرنا چاہتے ہوں تو دفتر کو مطلع فرمائیں۔

(مینیجر)

ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر و پبلشر نے، گیلانی الیکٹرک پریس، ہسپتال روڈ، لاہور میں چھپوا کر

دفتر ترجمان القرآن، دارالاسلام متصل پٹھان کوٹ، سے شائع کیا۔